مسٹر پرویز کا خط

اور

اس کا جواب

از

محمد عبدالرشید نعمانی

شائع کردہ

شعبہ تصنیف، مدرسہ عربیہ اسلامیہ، جامع مسجد نیو ٹاؤن کراچی ۵

(مشہور آفسٹ پریس کراچی)

قیمت بیس ۲۰ نئے پیسے

مسٹر پرویز کا خط
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے نام

باسمہ تعالےٰ

۲۵۔ بی گلبرگ۔ لاہور

۲۰ر فروری ۱۹۶۲ء

محترمی مفتی صاحب — السلام علیکم

مجھے ایک پمفلٹ موصول ہوا ہے جس کا عنوان ہے :

علمائے امت کا متفقہ فتویٰ

پرویز کافر ہے

اس فتوے کے تمہیدی بیان کے متعلق پمفلٹ میں لکھا ہے۔ کہ وہ آپ کا تحریر فرمودہ ہے، اس تمہیدی بیان کے آخر میں آپ نے لکھا ہے کہ :۔

"علماء کو کوئی خوشی نہیں کہ کسی مدعیٔ اسلام کے بارے میں اس کے خلاف کوئی رائے رکھیں۔ بلکہ فقہاء کی اس معاملہ میں انتہائی احتیاط ہر قدم پر اُن کے سامنے ہے۔ مگر مجبور ہو کر یہ قدم اٹھانا پڑا ہے۔ اور پھر بھی ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم سے کسی اقتباس کے اخذ کرنے میں کوئی فروگذاشت ہو، یا پرویز صاحب کا مفہوم ہم نے کسی جگہ غلط سمجھا ہو تو ہمیں مطلع فرمایا جائے۔ ہم شکریہ

کے ساتھ اس پر غور کریں گے "۔

میں یہ عریضہ آپ کے بیان کے اسی آخری حصّے کے سلسلے میں ارسالِ خدمت کر رہا ہوں۔

۲ ـــ میں سب سے پہلے یہ دریافت کرنے کی جرأت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ضروری نہیں تھا کہ جب یہ اقتباسات اخذ کئے گئے تھے اور ان سے کچھ مفہوم مستنبط کیا گیا تھا، تو قبل اس کے کہ ان پر فتویٰ لیا جاتا اور اس فتوے کی اس طرح عام اشاعت کی جاتی، مجھ سے دریافت کر لیا جاتا کہ کیا یہ اقتباسات صحیح طور پر اخذ کئے گئے ہیں اور جو مفہوم تمہاری طرف منسوب کیا گیا ہے وہ صحیح ہے؟ کیا یہ عجیب انداز نہیں کہ پہلے فتویٰ صادر کر دیا جائے اور اس کے بعد پوچھا جائے کہ کیا ہم نے صحیح بنیادوں پر فتویٰ صادر کیا ہے؟

۳ ـــ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میری تحریروں سے ایک ایک آدھ آدھ فقرہ اِدھر اُدھر سے اَخذ کر لیا گیا ہے اور انھیں "مکمل اقتباسات" کہہ کر پیش کر دیا گیا ہے۔ پھر ان منتشر ٹکڑوں سے جو مفہوم مرتّب کیا گیا ہے وہ بے حد غلط اور گمراہ کن ہے۔

۴ ـــ اب جبکہ آپ فتویٰ صادر فرما چکے ہیں اور اس کی اس طرح سے عام اشاعت بھی کر چکے ہیں تو اس کے بعد میری طرف سے کوئی وضاحت کیا مفید نتیجہ پیدا کر سکتی ہے؟ بایں ہمہ اگر آپ اس کا ذمہ لیں کہ جن مقامات پر یہ فتویٰ بھیجا گیا ہے وہاں میرا بیان بھی بھجوا دیا جائے گا تو میں ان تمام شقوں کے متعلق جن پر یہ فتویٰ شائع کیا گیا ہے اپنی تحریروں کے مکمل اقتباسات اور ان کا صحیح مفہوم ارسالِ خدمت کر دوں گا۔

۵ ــــ سرِدست میں اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم نے اس شخص کو مومن کہا ہے: "مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ" [1] (۲/۱۷۷) میں ان تمام امور پر اُن تصریحات کے مطابق جو قرآن کریم میں مذکور ہیں، ایمان رکھتا ہوں۔ میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کا آخری نبی اور رسول اور قرآن کریم کو تمام نوعِ انسان کے لئے آخری ضابطۂ حیات مانتا ہوں۔ ارکانِ اسلام (نماز۔ روزہ۔ وغیرہ) کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ امت کے مختلف فرقے انھیں جس جس طریق سے ادا کرتے چلے آرہے ہیں، کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ ان میں کوئی ردّ و بدل کرے یا کوئی نیا طریق وضع کرے۔

(ب) اطاعتِ خدا اور رسولؐ کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صورت یہ نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کر لیتا تھا۔ اس کی صحیح شکل یہ تھی کہ حضورؐ کے بعد جو خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہوئی تھی اس سے پوچھا جاتا تھا کہ فلاں معاملہ میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کس طرح کی جائے گی۔ جو فیصلہ وہاں سے ملتا اُسے خدا اور رسولؐ کی اطاعت سمجھا جاتا۔ اسی سے وحدتِ امت قائم تھی۔ جب خلافت باقی نہ رہی تو خدا اور رسولؐ کی اطاعت انفرادی طور پر ہونے لگی۔ اِس سے اُمّت میں افتراق پیدا ہوا۔ امت میں دوبارہ وحدت پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم کی جائے، اور اس کے فیصلوں کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کی جائے۔ اسی خلافت کو بغرضِ اختصار مرکزِ ملت یا اسلامی نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے

---

[1] "جو اللہ پر۔ آخرت کے دن پر۔ ملائکہ پر۔ کتابوں پر اور نبیوں پر ایمان لائے۔"

اور میں اس کی بار بار وضاحت کر چکا ہوں۔ میں نہ ہر نظامِ حکومت کو اسلامی نظام کہتا ہوں اور نہ اس کے فیصلوں کی اطاعت کو خدا اور رسولؐ کی اطاعت۔ میرے نزدیک خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کے علاوہ کوئی نظام اسلامی نہیں کہلا سکتا اور نہ اسے مرکزِ ملت کہا جا سکتا ہے۔

(ج) میں ہر اُس حدیث کو صحیح مانتا ہوں جو قرآن کے خلاف نہ ہو یا جس میں نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی شان میں کوئی طعن نہ پایا جاتا ہو۔ میں صرف اُن وضعی روایات کو "عجمی سازش" سے تعبیر کرتا ہوں جن میں غیر اسلامی معتقدات اور رسومات کو اسلام کے لباس میں پیش کیا گیا ہے۔

۶ ــــ جس لٹریچر کی بنا پر مجھے "کافر" قرار دیا جا رہا ہے میں اُس کے متعلق اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس ملک میں ہزاروں تعلیم یافتہ نوجوان ایسے ہیں جو اس لٹریچر کی بدولت اسلام کے گرویدہ ہیں اور اگر یہ لٹریچر ان تک نہ پہنچتا تو وہ کبھی کے مغربی مادیت یا روس کی کمیونزم کی آغوش میں جا چکے ہوتے۔ میں اس بے پایاں کرم کے لئے بدرگاہِ ربّ العزت قدم قدم پر سجدہ ریز ہوں کہ اس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی۔

۷ ــــ چونکہ یہ عریضہ آپ کے اس بیان کے ضمن میں ارسال کر رہا ہوں جو آپ نے پمفلٹ میں شائع کر دیا ہے اس لئے اپنے اس عریضہ کو بھی بغرضِ اشاعت پریس میں بھیج رہا ہوں۔[1]

والسّلام

خیر طلب ــــ پرویز

---

[1] مسٹر پرویز کا یہ خط ماہنامہ "طلوعِ اسلام" بابت ماہ مارچ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا ہے اور دو ورقہ کی صورت میں اس کو الگ چھاپ کر ہر جگہ تقسیم کیا گیا ہے۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

جس کے آخر میں حسب ذیل عبارت درج ہے :-

"ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (۴/۹۵)

"جو شخص تم سے سلام علیک کرے اس سے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں"۔ اس کے برعکس، ہمارے یہ علمائے کرام ہیں کہ اس شخص کو "کافر" قرار دے رہے ہیں جسے یہ خود "مدعیِ اسلام" کہتے ہیں۔ جس کا ایمان وہ ہے جو اوپر درج ہے اور جس کی ساری عمر، بلا معاوضہ، اسلام کی خدمت میں گذری ہے۔ پرویز صاحب نے ان خیالات کو آج پہلی مرتبہ پیش نہیں کیا۔ وہ قریب تیس برس سے انہیں پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ معلوم نہیں اب کیا ہو گیا کہ وہ ان کی وجہ سے یک لخت "کافر" ہو گئے؟ ان حضرات کی مصلحتیں یہی جانیں۔ بہرحال، اگر مفتی صاحب نے وہ ذمہ لے لیا جس کے لئے ان سے خط میں کہا گیا ہے تو پرویز صاحب کے وضاحتی بیان سے آپ دیکھ لیں گے کہ ان کی بات کو کس طرح مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے"۔

خط کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد

مسٹر پرویز کا ایک مکتوب حضرت "مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے نام" ماہنامہ "طلوعِ اسلام" (بابت ماہِ مارچ ۱۹۶۲ء) میں شائع ہوا ہے اور اسی کو دو ورقی صورت میں الگ چھاپ کر بڑی شد و مد سے ہر جگہ تقسیم کیا جا رہا ہے۔ یہ خط اگرچہ حضرت مفتی صاحب کے نام ہے لیکن اس میں جو سوالات اٹھائے گئے ہیں چونکہ ان کا تعلق براہِ راست ان تمام علما سے ہے جنھوں نے اس فتوے پر دستخط کیے ہیں لہٰذا ان علماء میں سے ہر ایک کو شرعاً اور اخلاقاً اس کا حق ہے کہ وہ اس مکتوب میں مسٹر موصوف کے اٹھائے ہوئے سوالات کا جواب دے تاکہ عام لوگ ان کے مکتوب سے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

مسٹر پرویز کا یہ مکتوب تمام تر اس شکایت سے پُر ہے کہ علماء نے انھیں متفقہ طور پر کافر کیوں کہا حالانکہ اتنی بات وہ بھی سمجھتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ میں کافر کا لفظ کوئی گالی نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت کا انکشاف ہے۔ اس لئے اظہارِ حقیقت پر ان کو کوئی شکایت نہ ہونا چاہیے تھی۔ چنانچہ خود ان کے الفاظ ہیں :-

"غیر مسلم اکثر شکایت کیا کرتے ہیں کہ قرآن انھیں کافر کہتا ہے (اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی گالی ہے) ان کی شکایت ناواقفیت کی وجہ سے ہے"

کافر کا لفظ گالی نہیں اس کے معنی ہیں "نہ ماننے والا" جیسا کہ گذشتہ صفحات میں لکھا جا چکا ہے۔

اسلام ایک جماعت (سوسائٹی) کا نام ہے۔ جو شخص اس سوسائٹی کے قواعد وضوابط کو مان کر اس کا ممبر بن جاتا ہے اسے مومن کہتے ہیں جس کے معنی ہیں "ماننے والا" اور جو اس کا ممبر نہیں بنتا اسے کافر کہتے ہیں یعنی وہ اس سوسائٹی کا ممبر نہیں لہذا اس میں نفرت یا گالی کی کوئی بات نہیں"۔

(ملاحظہ ہو "اسلامی معاشرت" از پرویز ص ۱۸۷

شائع کردہ ادارہ "طلوع اسلام" کراچی طبع بار دوم جون ۱۹۵۴ء)

تعجب ہے کہ مسٹر پرویز اپنی تکفیر کے فتوی پر اس قدر خفا ہو گئے۔ حالانکہ خود بدولت برسوں سے تمام مسلمانوں کو خارج از اسلام قرار دیتے اور ان کی تکفیر کرتے چلے آ رہے ہیں چنانچہ نظام ربوبیت میں ان کی تصریح ہے کہ

"مسلمانوں کی یہ حالت اس لئے ہے کہ ان کا مروجہ مذہب وہ نہیں جو قرآن نے دیا تھا۔ یہ مذہب بعد کی پیداوار ہے، اس کے اجزاء ترکیبی مجوسیوں (ایرانیوں) کی اشخاص پرستی اور تقدیر کا عقیدہ۔ یہودیوں کی رسومات اور روایات پرستی۔ اور عیسائیوں (افلاطونیت) کا تصوف ہیں، قرآن ان سب کے خلاف صدائے احتجاج تھا۔ لیکن مسلمانوں نے قرآن کو "مردوں کو ثواب پہنچانے کے لئے" رکھ لیا اور مذہب وہ اختیار کر لیا جو اسے غیر قرآنی سرچشموں سے ملا، یہی مذہب ان کے ہاں صدیوں سے چلا آ رہا ہے"۔ [نظام ربوبیت از پرویز ص ۴۵ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام ۱۹۵۵ء]

مسٹر پرویز بتائیں کہ ان الفاظ میں انھوں نے نہ صرف موجودہ دور کے مسلمانوں بلکہ صدیوں قبل کے مسلمانوں کو جو سرٹیفکٹ عطا فرمایا ہے وہ ان کے ایمان و اسلام کی شہادت ہے یا کفر و ارتداد کی، مجوسیوں کی اشخاص پرستی، یہودیوں کی رسومات اور عیسائیوں کا تصوف ان کے نزدیک عین ایمان و اسلام ہے یا سراسر کفر و ضلال۔ اور جس مذہب کے اجزائے ترکیبی ہیں یہ تینوں خرابیاں یکجا موجود ہوں جو ان مذاہب مذکورہ میں علیحدہ علیحدہ تھیں تو پھر ایسا مذہب خود ان کے اس فتوی کے مطابق مجوسیت، یہودیت اور نصرانیت سے بدتر ہوگا یا بہتر کہ ان مذاہب میں تو صرف ایک ہی خرابی تھی اور بقول ان کے مسلمانوں کے مذہب میں یہ سب خرابیاں اکٹھی موجود ہیں۔ غرض تمام مسلمان مسٹر پرویز کی تصریح کے مطابق صدہا برس سے ایسے مذہب کو اختیار کئے ہوئے ہیں جو انھیں غیر قرآنی سرچشموں سے ملا ہے اور جو ان تمام خرابیوں کا جامع ہے جو ان مذاہب سہ گانہ میں متفرق طور پر پائی جاتی تھیں۔ اس لئے نتیجہ ظاہر ہے کہ تمام مسلمان صدہا برس سے ان کے نزدیک یہود و نصاری اور مجوس سے بھی بدتر ہو چکے ہیں۔ مسٹر پرویز کے اس فتوے کے بعد اگر مسلمان بھی ان کے بارے میں اسی فیصلہ پر مجبور ہوئے تو یہ بات ان کو بری کیوں لگی؟

اسی طرح مسٹر پرویز لغات القرآن میں ملائکہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"قرآن کریم نے ملائکہ پر ایمان کو "اجزائے ایمان" میں سے قرار دیا ہے (مثلاً ۲/۲۸۵) یعنی ایک شخص کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کتب۔ رسل۔ آخرت پر ایمان لانے کے ساتھ ملائکہ پر بھی ایمان لائے۔

سوال یہ ہے کہ ملائکہ پر ایمان کے معنی کیا ہیں؟

اس کے معنی یہ ہیں کہ ملائکہ کے متعلق وہ تصور رکھا جائے جو قرآن نے پیش کیا ہے اور انھیں وہی پوزیشن دی جائے جو قرآن نے ان کے لئے متعین کی ہے۔ ملائکہ کے متعلق قرآن میں ہے کہ انھوں نے آدم کو سجدہ کیا (۳۴/۲) یعنی وہ آدم کے سامنے جھک گئے، جیسا کہ آدم کے عنوان میں بتایا جا چکا ہے۔ آدم سے مراد خود آدمی (یا نوعِ انسان) ہے[۱]۔ لہذا ملائکہ کے آدم کے سامنے

---

[۱] مسٹر پرویز کا ایمان چونکہ ڈارون کی تھیوری پر ہے اس لئے وہ حضرت آدم علیہ السلام کا وجود خارجی نہیں مانتے اور جہاں جہاں قرآن مجید میں حضرت آدم کا ذکر آیا ہے اس سے نوعِ انسانی مراد لیتے ہیں۔ مسٹر موصوف ڈارون کے نظریہ ارتقاء پر جن الفاظ میں ایمان لاتے ہیں وہ یہ ہیں:-

"فطرت کی بعض اسکیمیں ایسی ہیں جن کے نتائج ہزارہا سال کے بعد جا کر مرتب ہوتے ہیں۔ مثلاً زندگی کے اولیں جرثومہ کا مختلف ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد انسانی پیکر تک پہنچنا، یہ کہیں کروڑوں برس کے بعد جا کر ہوا۔"

(من ویزداں از پرویز ص ۱۱ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام، لاہور)

یہ ایمان مجمل ہوا۔ ایمان مفصل یہ ہے:-

نظریۂ ارتقا

"کائنات میں منظم و مربوط انداز سے ایک سلسلہ تدریج و تحول جاری و ساری ہے یعنی ہر شے ایک خاص قانون کے ماتحت بتدریج نشو و ارتقا کے مدارج طے کر رہی ہے، اور یوں ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے یہ تحول و تقلب کچھ ایسے غیر محسوس انداز سے عمل میں آ رہا ہے کہ سطحی آنکھ اسے محسوس طور پر دیکھ نہیں سکتی اور پھر یہ تبدیلیاں اتنے طول طویل عرصے کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہیں کہ انسانی یادداشت کے لئے اس کا ریکارڈ رکھنا مشکل ہے۔ اس لئے ان تدریجی انقلابات کے لئے (باقی بر صفحہ آئندہ)

جھکنے سے مراد یہ ہے کہ یہ قوتیں وہ ہیں جنھیں انسان مسخر کرسکتا ہے۔ انھیں انسان کے سامنے جھکا ہوا رہنا چاہیئے۔ کائنات کی جو قوتیں ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئیں انھیں چھوڑیئے۔ جو قوتیں ہمارے علم میں آچکی ہیں ان کے متعلق صحیح ایمان یہ ہوگا کہ ان سب کو انسان کے سامنے جھکنا چاہیئے۔

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) خود صحیفۂ فطرت کے اوراق اور خزائن و دفائن ارضی کے نقوش و آثار کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ کتاب فطرت کے ان منتشر اوراق کے مطالعہ کے بعد ذہن انسانی تخلیق انسانی کے متعلق جس نتیجہ پر پہنچا ہے وہ مختصر الفاظ میں یہ ہے کہ

(۱) صفحۂ ارض پر زندگی (Life) کی ابتدا پانی سے ہوئی ہے۔

(۲) پانی اور مٹی کے امتزاج سے زندگی کے جرثومۂ اولین کو پیکر عطا ہوا۔

(۳) زندگی کے یہ جراثیم مختلف نوعوں میں تقسیم ہو کر ایک درخت کی شاخوں کی طرح بڑھنے پھولنے لگے۔

(۴) ان جراثیم کے پیکروں میں ہزارہا ہزار سال کے مراحل کے بعد مختلف تبدیلیاں واقع ہوتی رہیں۔

(۵) ان طویل المیعاد مراحل کو طے کر کے سلسلۂ تخلیق اس منزل پر پہنچا جسے تخلیق بذریعہ "تناسل" کہتے ہیں یعنی حیوانی زندگی۔

(۶) حیوانی زندگی اسی زندگی کے غیر محسوس اور طویل المیعاد مراحل سے طے کرنے کے بعد منزل بمنزل انسانی پیکر میں جلوہ ریز ہوئی۔

اس طرح نوعِ انسانی کی ابتدا ہوئی۔"

(ابلیس و آدم از پرویز ص ۳۵ و ۳۶ شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی ۱۹۵۴ء)

"سب سے پہلے کوئی ایک فرد صورت انسانی میں جلوہ گر نہیں ہوا بلکہ ایک نوع وجود پذیر ہوئی۔" (ابلیس و آدم ص ۶۴)

اب ظاہر ہے کہ جس قوم کے سامنے کائناتی قوتیں نہیں جھکتیں وہ قوم (قرآن کی روسے) صف آدمیت میں شمار ہونے کے بھی قابل نہیں، چہ جائیکہ اسے جماعت مومنین کہا جائے۔ (کیونکہ مومن کا مقام عام آدمیوں کے مقام سے کہیں اونچا ہے)۔" (لغات القرآن از پرویز جلد اول ص ۲۴۴)

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) اس پر جرأت کا یہ عالم ہے کہ اس خواب پریشاں کی تعبیر کو قرآن کریم سے ثابت کرنے کی بیجد غلط کوشش کی ہے۔ چنانچہ "نظام ربوبیت" میں لکھتے ہیں :-

قرآنی تصورات وہ (یعنی قرآن کریم) کہتا ہے کہ زندگی اپنے مختلف تخلیقی مدارج طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی آئی ہے اس کی ابتدا طین (درجۂ جمادات) سے ہوئی۔

بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (۳۲/۷)

تخلیق انسانی (کی اسکیم) کا نقطۂ آغاز مٹی سے ہوا

زندگی جمادات کی تہوں میں محوِ خواب تھی کہ پانی کے چھینٹے نے اس میں حرکت پیدا کی

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ (۲۱/۳۰)

اور ہم نے ہر جاندار شے کو پانی سے بنایا کیا یہ لوگ اس حقیقت پر یقین نہیں رکھتے۔

یہاں سے سلسلۂ ارتقا آگے بڑھا اور نباتات تک پہنچا :-

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا (۷۱/۱۷)

اللہ نے تمہیں زمین سے اگایا۔ ایک طرح کا اگانا۔

اس کے بعد یہ سلسلۂ ارتقا حیوانات کے درجے میں پہنچا جہاں تخلیقی کاروبار تولید و تناسل کی رو سے آگے بڑھا :-

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ (۸۶/۶)

اسے پیدا کیا اس پانی (نطفہ) سے جو اچھل کر رحم میں گرتا ہے۔

درجۂ حیوانات تک یہ سلسلہ اسی طرح چلا آیا۔ (باقی بر صفحۂ آئندہ)

یہاں مسٹر موصوف نے صاف الفاظ میں طے کر دیا ہے کہ وہ پوری قوم کی قوم جو ملائکہ پر اس طرح ایمان نہ رکھے جس طرح ان کا بیان ہے وہ قرآن کی رو سے جماعتِ مومنین سے خارج ہے۔

یہاں یہ سوال علیحدہ ہے کہ ان کے نزدیک سارے ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اب اس کے بعد زندگی اس مقام میں داخل ہوتی ہے جسے منزلِ انسانیت کہا جاتا ہے یہیں سے وہ اہم فرق پیدا ہوتا ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کر دیتا ہے اس کے لئے سورۂ سجدہ کی متعلقہ آیات کو مسلسل سامنے رکھئے (جن میں سے ایک آیت اوپر دی گئی ہے)۔

اَلَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ (۳۲/۷)

اللہ وہ ہے جس نے ہر شے کی خلقت میں حسن کارانہ تناسب قائم کیا (اور یہ سب کچھ تدریجاً ارتقائی طور پر ظہور میں لایا گیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں) انسان کی تخلیق کی ابتداء طین سے کی گئی۔

اس کے بعد ہے:

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (۳۲/۸)

پھر (اسے مختلف تخلیقی مدارج طے کراتے ہوئے اس مقام تک لے آیا جہاں) اس کی نسل کا سلسلہ حقیر پانی (نطفہ) کے خلاصہ سے ٹھہرایا۔

اس درجۂ حیوانی کے بعد ثُمَّ سَوّٰىهُ (۳۲/۹) اس میں ہر طرح کا اعتدال پیدا کیا۔ اس کے بعد وَنَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (۳۲/۹) "اللہ نے اس میں اپنی توانائی پھونک دی"۔ یہ ہے وہ مقام جہاں یہ دیگر حیوانات سے متمیز ہو گیا۔ یعنی اس میں الوہیاتی توانائی (DIVINE ENERGY.) آگئی جو کسی اور حیوان کے حصے میں نہیں آئی۔ اسی کا نام انسانی ذات یا نفس ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

یا بعض پر، اگر بعض ملائکہ پر ایمان لانا ضروری ہے اور بعض پر غیر ضروری، تو کیا اللہ۔ کتب۔ رسل اور آخرت پر بھی ایمان لانے میں ان کے یہاں یہی گنجائش ہے کہ ان میں سے بعض پر ایمان لائے اور بعض پر نہ لائے۔ یعنی خدا کی بعض صفات کو مانے اور بعض کو نہ مانے، اور بعض کتابوں کو برحق سمجھے اور بعض کو نہ سمجھے، اور بعض رسولوں کی تصدیق کرے اور بعض کی نہ کرے اور آخرت کے بعض حالات پر یقین رکھے اور بعض پر نہ رکھے۔ اور اس طرح نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ (ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض پر

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ (۳۲/۹)

اور اس نے تمہیں ذرائع علم یعنی سماعت۔ بصارت اور قلب (MIND) عطا کید یہ "روحِ خداوندی" کی کرشمہ سازیاں ہیں جن سے ایک پیکرِ آب و گل۔ دانا و بینا انسان کائنات کا جان مدعا بن گیا۔"

(قرآنی نظام ربوبیت از پرویز ص ۲۶ و ۲۷)

قرآن کریم سے ڈاروِن کا یہ نظریہ ارتقا کس طرح برآمد ہوا اس کے بارے میں کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہیں خود مسٹر پرویز کی تصریح ہے کہ

"ہم نے اس مقام پر سلسلۂ ارتقاء کے ضمن میں ایک ایک آدھ آدھ آیت پر اکتفا کیا ہے۔" (قرآنی نظام ربوبیت ص ۲۶)

مسٹر پرویز نے آیاتِ قرآنی کی قطع برید کی تو توجیہ کر دی مگر ڈاروِن کی تھیوری کو صحیح ثابت کرنے کے لئے انھوں نے ان آیات کو اپنے سیاق و سباق سے جدا کر کے جو بے حد غلط اور گمراہ کن معنی پہنائے ہیں اس کی کیا توجیہ کریں گے کہ

غلطیہا ئے مضامین مت پوچھ

ڈاروِن کے پرستاروں کو یہ بھی بتانا چاہئے کہ نوعِ انسانی کے وجود میں آنے کے بعد کیا سلسلۂ ارتقاء رک گیا یا ابھی کسی اور نوع کے وجود میں آنے کی تیاریاں ہیں؟

ایمان نہیں لانے) کا کھلے بندوں اعلان کر دے، اور اگر اللہ۔ کتب۔ رسل اور آخرت پر ایمان لانے کے بارے میں وہ یہ تفریق برداشت نہیں کرتے تو پھر ملائکہ پر ایمان لانے کے بارے میں کیوں بعض پر ایمان لانے کو کافی سمجھا اور یہ لکھ دیا کہ

"کائنات کی جو قوتیں ابھی تک ہمارے علم میں نہیں آئیں انھیں چھوڑ یئے جو قوتیں ہمارے علم میں آچکی ہیں ان کے متعلق صحیح ایمان یہ ہوگا کہ ان سب کو انسان کے سامنے جھکنا چاہیئے"

یہ کائنات کی بعض قوتوں کو چھوڑنا کیا معنی جبکہ ایمان بغیر ان کے مسخر کیئے مکمل نہیں ہو سکتا۔ پھر سوال یہ ہے کہ کائنات کی یہ قوتیں آج مسلمان قوم کے سامنے جھک رہی ہیں یا روس و امریکہ کے سامنے۔ غرض ان کی تصریح کے مطابق آج مسلمان قوم صفِ آدمیت میں شمار ہونے کے بھی قابل نہیں چہ جائیکہ اسے جماعتِ مومنین کہا جائے۔ اور موجودہ دور کے مسلمانوں کا سوال نہیں عہد رسالت سے لیکر اب تک جتنے مسلمان ہوئے ہیں سب ان کے اس فتویٰ کی زد میں ہیں ورنہ وہ ثابت کریں کہ کائنات کی کتنی قوتیں ان کے سامنے جھکی تھیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر خود انبیاء و رسل کے متعلق یہی سوال ہوگا کیا وہ ثابت کر سکتے ہیں کہ کسی نبی یا رسول نے کوئی ریل گاڑی بنائی تھی، یا ہوائی جہاز تیار کیا تھا، یا بحری جہاز چلائے تھے، یا ایٹم بم، بجلی، ریڈیو، ٹیلی ویژن، اور آج کل کے جدید آلات سے کام لیا تھا۔ ورنہ ان کا یہ فتویٰ (خاک بدہن گستاخ) کیا کیا قیامت ڈھائے گا۔[1]

---

[1] ہاں یہ الگ بات ہے کہ مسٹر پرویز اپنے خیالی طلسم ہوشربا کی سیر کرتے ہوئے بے ساختہ یہ لکھدیں کہ

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اور ہاں خود انھوں نے اور ان کے جملہ اراکین بزم طلوع اسلام نے اب تک کائنات کی کتنی قوتیں مسخر کی ہیں، اور اگر کائنات کی قوتیں ان کے سامنے ابھی تک نہیں جھکیں تو پھر ملائکہ پر اُن کا ایمان لانا کس طرح صحیح ہوا۔ اور ایسی صورت میں خود وہ اور جملہ اراکین بزم طلوع اسلام اپنے ہی اس فتوے کے مطابق صف آدمیت میں شمار ہونے کے قابل بھی رہے یا نہیں چہ جائے کہ ان کا اور ان کے متبعین کا شمار جماعت مومنین میں کیا جائے۔

بہر حال جو شخص بھی مسٹر پرویز کی مذکورہ بالا ہر دو عبارات کو دیکھے گا یقین کرلے گا کہ وہ مسلمانوں کی تکفیر میں کس قدر جری و بے باک ہیں اور جب وہ سب مسلمانوں کو جماعت مومنین سے خارج سمجھتے ہیں تو اس فتوی پر اس قدر چیں بجبیں ہونا کیا معنی؟

اب ان کے تمام سوالات کا سلسلہ وار جواب سنئے:

(۲) — مسٹر موصوف پر کفر کا فتوی جو لگایا گیا ہے پوری احتیاط کے ساتھ لگایا گیا ہے، ان کی تحریریں سادہ اردو میں ہیں جو اپنی مراد کے اعتبار سے بالکل واضح اور صاف ہیں پھر ایک ہی مضمون کو وہ بار بار اپنی تصانیف میں دہراتے رہتے ہیں اس لئے ان کے مفہوم کو سمجھنے میں کیا اشکال ہو سکتا ہے، تاہم ان کے لئے صفائی کا ہر وقت موقع ہے کیا اچھا ہو جو وہ اپنے تمام کفریات سے اعلان براءت کرکے اپنی توبہ شائع کردیں اور

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) "عہد رسالت مآبؐ میں جب قرآنی پروگرام سامنے تھا مسلمان اس جنت میں تھا جس میں دودھ کی نہریں بہتی تھیں اور شہد کے حوض بھرے تھے۔ اسے ہر قسم کی فراوانیاں حاصل تھیں۔ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ"

(قرآنی نظام ربوبیت ص ۲۳۷)

مگر یہ وہ نادر انکشاف ہے جس کو صرف بزم طلوع اسلام کا ممبر ہی صحیح باور کرسکتا ہے۔

اور پھر نئے سرے سے دائرہ اسلام میں داخل ہوجائیں۔

ہماری تحقیق میں جتنے اقتباسات استفتا میں درج کئے گئے ہیں اور ان سے جو مفہوم مستنبط کیا گیا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ یہ مسٹر پرویز کی عبارتیں ہیں جن کو ہر اردو خواں بخوبی سمجھ سکتا ہے، خدا رسول کی اطاعت نہیں کہ جس کا مفہوم بقول ان کے بغیر مرکز ملت کی تشریح کے سمجھ میں نہ آئے، ورنہ اگر وہ اپنی عبارتوں کو بھی خدا ... کے نصوص کا درجہ دیتے ہیں تو اور بات ہے، انھوں نے اردو میں کتابیں لکھی ہیں اور اردو داں طبقہ ہی کے لئے لکھی ہیں اس لئے ان کی عبارتوں کا جو مفہوم اردو زبان کی عام بول چال کے اعتبار سے سمجھا جائے گا وہی ان کی مراد قرار دی جائے گی لہذا فتوی دینے سے پہلے اس سلسلہ میں کسی مفتی کو اُن سے مراجعت کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ مسٹر پرویز تو بغیر علوم عربیہ کو حاصل کئے اور بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کو سامنے رکھے کتاب اللہ کا مفہوم (بزعم خویش) آسانی سے سمجھ جائیں لیکن وہ علماء جن کی مادری زبان اردو ہے مسٹر پرویز تک کی اردو تحریر کا صحیح مفہوم نہ سمجھ سکیں، دنیا میں اس سے زیادہ اور اچنبھے کی بات کیا ہو سکتی ہے۔

(۳) تعجب ہے کہ انھوں نے سارے اقتباسات کو ایک ایک آدھ آدھ فقرہ کہہ کر اڑا دیا حالانکہ وہ پوری عبارتیں ہیں جو اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہیں۔ یہ ایک ایک آدھ آدھ فقرہ پر اکتفا کر کے اس سے کسی غلط مفہوم کا اخذ کرنا تو مسٹر پرویز کا شعار ہے جس کی مثال ابھی نظریہ ارتقا کے سلسلہ میں قارئین کے نظر سے گزری۔

(۴) ...... وہ ایک طرف تو یہ کہتے ہیں کہ

"جبکہ آپ فتویٰ صادر فرما چکے ہیں اور اس کی اس طرح سے عام اشاعت
بھی کر چکے ہیں تو اس کے بعد میری طرف سے کوئی وضاحت کیا مفید
نتیجہ پیدا کر سکتی ہے"۔

لیکن دوسری طرف یہ خط پریس کو بھیج دیتے ہیں، اپنے ماہنامہ میں اسے شائع کرتے ہیں اور دو ورقی صورت میں الگ چھپوا کر بڑے زور شور سے اسے ہر جگہ تقسیم کراتے ہیں جو خیر سے اسی فتوے کی وضاحت کے سلسلہ میں ہے آخر اس خط کی اشاعت سے بھی ان کے خیال میں کوئی مفید نتیجہ پیدا ہوا یا مزید غلط فہمی بڑھی؟ درصورتِ اول اگر اس خط کی اشاعت کوئی مفید نتیجہ پیدا کر سکتی ہے تو اس فتوے کے بارے میں ان کی کوئی وضاحت کیوں مفید نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی، بڑا اچھا ہو جو وہ ان تمام اقتباسات کے متعلق جن کو وہ "ایک ایک آدھ آدھ فقرہ ادھر ادھر سے لیا ہوا بتا رہے ہیں"۔ اپنی مکمل تحریریں شائع کر دیں اور ان کا صحیح مفہوم بھی بتا دیں، تاکہ سب لوگ جان لیں کہ جس طرح وہ اپنی کفریات کو معانی کے نئے نئے جامے پہناتے ہیں اسی طرح کتاب و سنت کے ساتھ بھی ان کی طبع آزمائی نئے نئے رنگ میں جاری رہتی ہے۔

(۵) ـــــ انھوں نے اپنے مکتوب میں یہ لکھا ہے کہ

"قرآن کریم نے اس شخص کو مومن کہا ہے: مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (۲/۱۷۷)۔ میں ان تمام
امور پر ان تصریحات کے مطابق جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ایمان رکھتا ہوں"۔

لیکن جو دو رقعہ ان کی طرف سے ہر جگہ تقسیم کیا جا رہا ہے، اس میں یہ بھی مرقوم ہے کہ
"ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (۴/۹۵)

جو شخص تم سے سلام علیک کرے اس سے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں۔

اس کے برعکس ہمارے یہ علماء کرام ہیں کہ اس شخص کو کافر قرار دے رہے ہیں جسے یہ خود "مدعیِ اسلام" کہتے ہیں۔"

اب علمائے کرام پر خفا ہونے سے پہلے یہ بتایا جائے کہ ان کے نزدیک دراصل ایمان کا معیار کیا ہے؟ اگر کسی شخص کے مومن ہونے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ سلام علیک کر لیا کرے اور بس، آگے اسے کچھ کرنے یا ماننے کی کوئی ضرورت نہیں لہذا جو بھی سلام علیک کرے وہ مومن ہے خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، مجوسی ہو یا ہندو ملحد ہو یا زندیق، کافر ہو یا مرتد، تو پھر اپنے کو مومن ثابت کرنے کے لئے آیت مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ، کیوں پیش کی، اور اپنی لغات القرآن میں اُن لوگوں کو جماعتِ مومنین سے کیوں خارج کر دیا کہ جن کے آگے کائناتی قوتیں نہیں جھکتیں۔ اور اگر ان کے نزدیک ایک شخص کے مومن ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ، یوم آخر، ملائکہ، کتب اور انبیاء پر ان تصریحات کے مطابق ایمان رکھتا ہو جو قرآن کریم میں مذکور ہیں تو پھر یہ دوسری آیت پیش کر کے علماء کرام پر طعن کیوں کیا گیا۔ اور اگر یہ آیت اس دو ورقہ میں بغیر ان کی ہدایت و ایما کے درج کی گئی ہے تو انھوں نے اپنے ماہنامہ طلوع اسلام میں ناشر کی اس غلطی پر تنبیہ کیوں نہ کی۔

مسٹر پرویز لکھتے ہیں کہ

"میں ان تمام امور پر ان تصریحات کے مطابق جو قرآن کریم میں مذکور ہیں

ایمان رکھتا ہوں۔"

سوال یہ ہے کہ ان تمام امور کے ان تصریحات کے مطابق ہونے کی جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کے نزدیک کیا صورت ہے، جبکہ "خدا رسول کی اطاعت" کے بارے میں ان کی تصریح یہ ہے کہ

"اطاعت خدا اور رسول کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صورت یہ نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کر لیتا تھا، اس کی صحیح شکل یہ تھی کہ حضورؐ کے بعد جو خلافت علی منہاج النبوت قائم ہوئی تھی اس سے پوچھا جاتا تھا کہ فلاں معاملہ میں خدا اور رسول کی اطاعت کس طرح کی جائے گی، جو فیصلہ وہاں سے ملتا اسے خدا رسول کی اطاعت سمجھا جاتا۔ اسی سے وحدت امت قائم تھی۔ جب خلافت باقی نہ رہی تو خدا اور رسول کی اطاعت انفرادی طور پر ہونے لگی اس سے امت میں افتراق پیدا ہوا۔ امت میں دوبارہ وحدت پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ پھر سے خلافت علی منہاج نبوت قائم کی جائے اور اس کے فیصلوں کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کی جائے۔"

اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مسٹر موصوف کے نزدیک ایمان اور خدا اور رسول کی اطاعت میں کچھ فرق ہے یا نہیں یعنی جس طرح ان کے نزدیک ہر شخص کو اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کی آزادی نہیں بلکہ خدا اور رسول کی اطاعت انفرادی طور پر کرنے سے امت میں افتراق پیدا ہوتا ہے اسی طرح

کیا قرآن کریم کی تصریحات پر بھی اپنے مفہوم کے مطابق ایمان لانا درست نہیں ہے کہ اس سے امت میں افتراق پیدا ہوتا ہے؛ اگر ایسا ہے تو پھر قرآنی تصریحات کے بارے میں ان کی انفرادی تعبیر کی کیا حیثیت ہوگی۔ اور ایمانیات کے باب میں ان کی انفرادی رائے سے امت میں افتراق پیدا ہوگا یا نہیں۔ اور اگر ان کے نزدیک ان دونوں باتوں میں فرق ہے کہ خدا اور رسول کی اطاعت تو کوئی شخص انفرادی طور پر نہیں کرسکتا مگر ایمان کے بارے میں آزادی ہے کہ ہر شخص اپنے مفہوم کے مطابق قرآن کی تصریحات پر ایمان لائے۔ اور جس طرح چاہے مانے اور جس طرح چاہے نہ مانے، ایمانیات کے باب میں نہ کسی کو خلافت علیٰ منہاج النبوت سے پوچھنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کے کسی فیصلہ کو اس بارے میں ماننے کی، تو پھر اس تفریق کی وجہ کیا ہے اس کو بیان کیا جائے۔

مسٹر پرویز اپنے مکتوب میں دعوے کرتے ہیں کہ "وہ ان تصریحات کے مطابق جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ایمان رکھتے ہیں"۔ لیکن ان کے قول و فعل سے کسی طرح اس دعوے کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ قرآن مجید نے تو ایمان کی دعوت ان الفاظ میں دی ہے: اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ (ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ) اور پھر جو اس طرح ایمان لے آئیں ان کے ہدایت یافتہ ہونے پر یہ کہہ کر مہر تصدیق بھی ثبت کردی ہے کہ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا (سو اگر وہ ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے تو انھوں نے ہدایت پائی)۔ مگر مسٹر پرویز کے یہاں ایمانیات کی جو تشریح ہے وہ سب مسلمانوں سے الگ ہے جس کا نمونہ ملائکہ پر ایمان کے سلسلہ میں ابھی گزر چکا۔ جبریل ان کے نزدیک "انکشاف حقیقت کی روشنی"

کا نام ہے۔ (ملاحظہ ہو ابلیس و آدم ص ۲۸۳) حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں ان کی جو رائے ہے اس سے اُن کے ایمان بالانبیاء کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔ قرآن کے بارے میں ان کا ایمان یہ ہے کہ اس کے احکام عبوری[1] دور کی پیداوار ہیں چنانچہ "نظام ربوبیت" میں ان کے الفاظ ہیں کہ:

"اب رہا یہ سوال کہ اگر اسلام میں ذاتی ملکیت نہیں تو پھر قرآن میں وراثت وغیرہ کے احکام کس لئے دیئے گئے ہیں۔

سو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن انسانی معاشرہ کو اپنے متعین کردہ پروگرام کی آخری منزل تک آہستہ آہستہ بتدریج پہنچاتا ہے اس لئے وہ جہاں اس پروگرام کی آخری منزل کے متعلق اصول اور احکام متعین

---

[1] حالانکہ خود بدولت قرآن مجید میں نسخ کے سرے سے قائل نہیں ہیں۔ چنانچہ "قرآنی فیصلے" میں لکھتے ہیں:-

"سوچیے کہ کیا اس عقیدہ کی کوئی اصل ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم کی اپنی آیات دوسری آیات سے منسوخ ہیں . . . پھر یہ بھی سوچیے کہ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ قرآن کی بعض آیتیں دوسری آیات سے منسوخ ہو چکی ہیں تو اس سے قرآن بھیجنے والے خدا کے متعلق کیا تصور پیدا ہوتا ہے لیکن ملّا بے چارے کو اس سے کیا واسطہ کہ خدا کے متعلق کیا تصور پیدا ہوتا ہے اور رسول اللہ کے متعلق کیا خیال قائم ہوتا ہے۔ اسے تو صرف اس سے غرض ہے کہ جو کچھ ہوتا چلا آرہا ہے اس میں کہیں فرق نہ آجائے، خواہ وہ اپنی اصل کے اعتبار سے یہود کی کذوبات ہوں یا نصاریٰ کی مفتریات، مجوس کی مخترعات ہوں یا صنادید عجم کی خرافات" (ص ۲۲۰ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

کرتا ہے، عبوری[1] دور کے لئے بھی ساتھ ساتھ راہنمائی دیتا چلا جاتا ہے۔ وراثت قرضہ، لین دین، صدقہ وخیرات وغیرہ سے متعلق احکام اس عبوری دور سے متعلق ہیں جس میں سے معاشرہ گزر کر انتہائی منزل تک پہنچتا ہے[2]" (نظام ربوبیت ص ۲۲۵ و ۲۲۶ تعارف)

یہ مسٹر پرویز کے ایمان بالکتاب کا نمونہ ہے۔ اور ایمان باللہ کی حقیقت خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:-

"خدا کی صفات کو اپنے سامنے بطور معیار رکھ لینا اور اپنی ذات میں ان کی نمود کو زندگی کا نصب العین قرار دے لینا ایمان باللہ (خدا پر ایمان) کہلاتا ہے۔"[3]

(من ویزداں ص ۷، شائع کردہ ادارۂ طلوعِ اسلام لاہور)

---

[1] "عبوری دور" کے متعلق یہ نظریہ مسٹر پرویز نے مارکس سے مستعار لیا ہے وہ بھی ذاتی ملکیت کا مسئلہ عبوری دور سے متعلق سمجھتا ہے۔ (ملاحظہ ہو "سلیم کے نام" حصہ اول ص ۱۵۰ و ۱۵۱)

[2] یہ انتہائی منزل وہی ہے کہ جب دنیا میں اشتراکی نظام قائم ہو کر انفرادی ملکیت کا مسئلہ سرے سے ختم ہو جائے۔ یعنی مارکس کے الفاظ میں:

"جب مزدوروں کی جماعت کو تسلط حاصل ہو جائے تو تدریجاً سرمایہ داروں کے املاک وخزائن پر قبضہ کر لیا جائے۔ یہ مقاصد صرف اس طرح حاصل ہو سکتے ہیں کہ موجودہ نظام معاشرت کو مسلح قوت کے ذریعہ تباہ کر دیا جائے"

("سلیم کے نام"۔ آٹھواں خط۔ ج ۱ ص ۱۵۱)

[3] مسٹر پرویز کا یہ ایمان باللہ ان تصریحات کے مطابق نہیں جو قرآن کریم میں مذکور ہیں بلکہ خود ان کی تصریح کے مطابق یہ ایمان باللہ برگسان سے مستعار ہے چنانچہ "نظام ربوبیت" میں ان کے الفاظ ہیں

"برگسان کے نزدیک کائنات کا فریضہ ہی یہ ہے کہ وہ اس قسم کے انسان پیدا کرے جن میں صفات خداوندی کی نمود ہو" (نظام ربوبیت ص ۶۸)

اور آخرت پران کا ایمان اس قدر وسیع ہے کہ باید و شاید چنانچہ وہ اپنی "لغات القرآن" میں لکھتے ہیں :-

"لہذا آخرت کے مفہوم میں پیش پا افتادہ مفاد کی بجائے مستقبل کی خوشگواریاں، موجودہ نسل کی بجائے آنے والی نسلیں (انسانیت عامہ) انقلاب آفرینی کے ذریعہ ایک نئی زندگی کی نمود، اور اس طبعی زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی کے تصورات سب شامل ہیں۔" (ج ۱ ص ۲۱۱)

مسٹر پرویز اس بات کے بھی معترف ہیں کہ آخرت پر مسلمانوں کا ایمان وہ نہیں جس کے وہ خود قائل ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"قرآن کریم نے جماعت مومنین کے متعلق کہا ہے کہ وہ آخرت (مستقبل) پر یقین رکھتے ہیں۔ یعنی وہ مفاد عاجلہ (پیش پا افتادہ مفاد) پر گر نہیں پڑتے بلکہ ہمیشہ اپنے سامنے مستقبل کا مفاد رکھتے ہیں۔ جو کسان بیج کے لئے رکھے ہوئے گیہوں کو چکی میں پسوا کر اس کی نرم نرم روٹیاں کھا لیتا ہے اس کی آج کی بھوک تو مٹ جاتی ہے لیکن مستقبل (آخرت) میں اس کے لئے مستقل بھوک ہوتی ہے۔ لیکن جو کسان اس بیج کو زمین میں ڈال کر چھ سات ماہ تک برابر محنت کرتا ہے اور نہایت ثبات و تحمل سے فصل پکنے کا انتظار کرتا ہے اس کا مستقبل روشن ہو جاتا ہے اور جب یہ سلسلہ ایک چکر باندھ لیتا ہے تو اس کا حال بھی خوشگوار ہو جاتا ہے اور مستقبل بھی۔ یہ اس لئے کہ اسے مستقبل (آخرت) پر یقین تھا۔ اس لئے وہ مفاد عاجلہ پر لپک نہیں پڑا۔ غور کیجئے دنیا میں وہی قوم زندہ رہتی اور آگے بڑھتی ہے جس کے سامنے

مستقبل کی بہبودی ہو۔ مومن کو مستقبل پر یقین رکھنے والا کہا گیا تھا

لیکن آج اس آسمان کے نیچے جماعت مومنین (مسلمان) سب سے زیادہ

عاقبت فراموش (مستقبل سے بے نیاز) ہے اور اس لئے سب سے پیچھے"

(لغات القرآن ج ا ص ۲۱۱)

کیا کہنے اس "آخرت پر ایمان" کے کہ جس میں مسلمان تو بقول ان کے "سب سے پیچھے ہیں" اور غیر مسلم سب سے آگے۔

اور جہنم ان کے نزدیک

"وہ مقام ہے جس میں زندگی کی نشوونما رک جاتی ہے"۔ (نظام ربوبیت ص ۶۶)

اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ جنت دوزخ کو اس دنیا میں بھی مانتے ہیں چنانچہ ان کے الفاظ ہیں :۔

"جو معاشرہ خدا کے قانون ربوبیت کے مطابق تشکل ہوتا ہے اس سے اس دنیا میں جنت کی زندگی مل جاتی ہے اور جو معاشرہ غیر خدائی قوانین کے مطابق قائم ہوتا ہے اس میں انسان جہنم کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ چونکہ قرآن کی رو سے زندگی کا سلسلہ غیر منقطع ہے جو موت کے بعد بھی بدستور آگے چلتا ہے، اس لئے جنت اور جہنم بھی اسی طرح آگے بڑھتے جاتے ہیں"۔ (نظام ربوبیت ص ۱۰۴)

اب وہ خود بتائیں کہ کیا عہد رسالت کے مسلمان جن کی طرح ایمان لانے کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے ان امور پر اسی طرح ایمان رکھتے تھے جس طرح ان کا ایمان ہے اور کیا خلافت علی منہاج النبوت کا کوئی فیصلہ ایمانیات کے باب میں بھی ان کی

تائید ملتا ہے؟ پھر قرآن کریم ہی کی تصریح کے مطابق ان کا دعویٰ ایمان کس طرح صحیح باور کیا جا سکتا ہے۔ مسٹر پرویز نے لکھا ہے:۔

"میں نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کا آخری نبی اور رسول، اور قرآن کریم کو تمام نوعِ انسان کے لئے آخری ضابطۂ حیات مانتا ہوں"۔

لیکن وہ نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خدا کا آخری نبی اور رسول جس معنی میں مانتے ہیں اس کی تشریح خود ان ہی کی زبان سے سننے کے لائق ہے فرماتے ہیں کہ

"رسالتِ محمدیہ نے اعلان کر دیا کہ اب سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے صرف یہ دیکھنا ہو گا کہ ان کا کوئی فیصلہ ان غیر متبدل اصولوں کے خلاف نہ ہو جائے جو وحی نے عطا کئے ہیں، اور جو اب قرآن کی دفتین میں محفوظ ہیں"۔

(سلیم کے نام، اکیسواں خط جلد دوم ص ۲۰ شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام لاہور)

مطلب صاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کی حیثیت نہ وحی کی ہے اور نہ وہ محفوظ ہیں اور نہ آپ کا قول و فعل انسانوں کے معاملات پر اثر انداز ہو سکتا ہے، بلکہ اب انسانوں کو اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے ہوں گے۔ سبحان اللہ خوب نبوت ختم ہوئی کہ اگلی امتیں تو اپنے معاملات کا فیصلہ کرنے کیلئے اپنے اپنے انبیاء کی ہدایت و اتباع کی محتاج تھیں مگر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ کی اتباع سے کھلی چھٹی مل گئی اب انسانوں کو اپنے معاملات چکانے کے لئے سرے سے خاتم الانبیا کی ہدایت و رہنمائی کی ضرورت ہی

نہیں رہی۔ بس صرف اتنا دیکھ لیا جائے کہ ان لوگوں کا کوئی فیصلہ قرآن کے عبوری دور کے احکام کے خلاف ہو تو کچھ مضائقہ نہیں مگر ان غیر متبدل اصولوں کے خلاف نہ ہو جا سے جو وحی نے عطا کئے ہیں۔ ذرا ان "غیر متبدل اصولوں" کے الفاظ پر غور کیجئے۔ گویا وحی نے بھی دو قسم کے اصول دیئے ہیں ایک متبدل اور دوسرے غیر متبدل، متبدل اصولوں کی مخالفت ہو سکتی ہے غیر متبدل کی نہیں، پھر جو کچھ خرابی ہے اصولوں کی مخالفت ہیں ہے جزئیات کی مخالفت پر کوئی پابندی نہیں۔ یہ ہے ختم نبوت کی حقیقت مسٹر پرویز کے نزدیک جس کی تفصیل انھوں نے "مقام حدیث" میں اس طرح کی ہے۔

"جن معاملات کے متعلق قرآن کریم نے محض اصولی احکام دیئے ہیں ان کی جزئیات مرتب کرنے کا کام مرکز ملت کے ذمہ تھا۔ . . . مرکز ملت قائم ہو جائے تو ان تمام امور کا تصفیہ خود بخود ہو جائے، یہ مرکز قرآن کو اپنے سامنے رکھے گا پھر ان امور کے لئے جن کی جزئیات قرآن نے بیان نہیں کیں، اپنے پیش رو مراکز ملت کے فیصلوں کا مطالعہ کرے گا اور اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان پر غور و خوض کرنے کے بعد اگر وہ انھیں علی حالہ رکھنا چاہے گا تو اسی طرح رہنے دیگا اور اگر کہیں رد و بدل کی ضرورت سمجھے گا تو ایسا بھی کر دیگا۔ ملت کے لئے خدا اور رسول کی اطاعت مرکز کے ان فیصلوں کی اطاعت کا نام ہوگا۔ . . . .

اگر یہ کسی طرح ثابت بھی کر دیا جائے کہ فلاں روایت یقینی طور پر صحیح ہے تو بھی اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ حضور کے زمانہ مبارک میں دین کے فلاں گوشہ پر کس طرح عمل کیا گیا تھا۔ اگر ہمارے زمانے کا مرکز حکومت

قرآنی سمجھے کہ اس عمل میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں تو اسے علی حالہٖ رائج
کردے اور اگر سمجھے کہ ہمارے زمانے کے اقتضاآت اس میں ردوبدل چاہتے
ہیں تو اس میں ردوبدل کردے۔ یہ ہے احادیث کی صحیح دینی حیثیت۔"
(مقامِ حدیث ج ۱ ص ۶۵ تا ۶۷ شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام کراچی)

غرض مسٹر موصوف کے نزدیک "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری نبی اور رسول" ماننے کا یہ مطلب ہے کہ "اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ کرنے ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلے کی پابندی کسی امر میں ان پر ضروری نہ رہی" بلکہ اب یہ بات ان کے "مرکز حکومت قرآنی کے سپرد ہے کہ اگر وہ یہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں تو اسے علی حالہٖ رائج کردے اور اگر سمجھے کہ ہمارے زمانے کے اقتضاآت اس میں ردوبدل چاہتے ہیں تو اس میں ردوبدل کردے" ختم نبوت کا یہ مطلب امت میں مسٹر پرویز کے سوا آج تک کسی نے بیان بھی کیا ہے؟

اسی طرح مسٹر موصوف کا یہ دعویٰ کہ

"قرآن کریم کو تمام نوعِ انسان کے لئے آخری ضابطۂ حیات مانتا ہوں"

ان افکار کے اعتبار سے تو بیشک صحیح ہے جو انھوں نے یورپ سے مستعار لئے ہیں (اور جس کی مثال ابھی نظریۂ ارتقار کے سلسلہ میں گزری) لیکن قرآن کریم کے ان معانی کے اعتبار سے یہ قطعاً صحیح نہیں جو امت محمدیہ آج تک اس کے الفاظ سے سمجھتی چلی آئی ہے۔ کیونکہ مسٹر پرویز نے قرآن کی جو اصطلاحات اپنے ذہن سے اختراع کی ہیں ان کا نمونہ درج ذیل ہے، وہ لکھتے ہیں

"کچھ اور اصطلاحات کا صحیح مفہوم بھی سامنے رکھ لینا چاہئے جنھیں قرآن اپنے نظامِ ربوبیت کے ضمن میں استعمال کرتا ہے۔ مثلاً

رب۔ خدا کا قانون ربوبیت جو تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔[۱]

ربوبیت۔ کسی شے کا کامل نشوونما پاکر اپنی تکمیل تک پہنچ جانا یعنی اسکی[۲]

مضمر صلاحیتوں کا پورے طور پر نشوونما پا جانا۔ (Fullest - Development of its latensfaculties)

ارض۔ انسان کی معاشی زندگی۔ وسائل پیداوار۔

سماء۔ خدا کا کائناتی قانون جو از خود جاری و ساری ہے۔

تقوی۔ معاشی پروگرام کو مستقل اقدار (قانون خداوندی) کے ساتھ[۳]

ہم آہنگ رکھنا اور اس طرح فرد اور معاشرہ کو خوف اور حزن سے محفوظ کرلینا۔

اقام الصلوٰۃ۔ معاشرہ کو ان بنیادوں پر قائم کرنا جن پر ربوبیت نوع انسانی

(رب العالمین) کی عمارت استوار ہوتی جائے، قلب و نظر کا وہ انقلاب

جو اس معاشرہ کی روح ہے۔

ایتاء زکوٰۃ۔ نوع انسانی کی نشوونما کا سامان بہم پہنچانا (زکیہ کے معنی

ہیں نشوونما۔ بالیدگی)۔

فی سبیل اللہ۔ نوع انسانی کی ربوبیت کے حصول کی راہیں۔[۴]

انفاق۔ ایسا نظام جس میں ایک طرف سے افراد کی محنت کا ماحصل

---

[۱] تو رب کسی ذات کی صفت نہیں بلکہ قانون کی صفت ہے۔

[۲] اس لحاظ سے تو جو شئے کامل نشوونما پاکر تکمیل کو پہنچ گئی وہ صفت ربوبیت کی حامل ہوئی اور "رب" بن گئی

[۳] معلوم ہوا کہ مسٹر پرویز کے نزدیک سیاسی، مذہبی، تمدنی اقدار تقوی سے خارج ہیں۔

[۴] تو جہاد، اور قتال "فی سبیل اللہ" کے مفہوم سے خارج ہے۔

آنا جائے اور دوسری طرف سے مفاد عامہ کیلئے نکلتا جائے۔ برگسان[1] کے الفاظ میں (Open Society) عام فہم الفاظ میں، انسانی کمائی کا مفاد عامہ کے لئے کھلا رہنا۔

بخل۔ انفاق کے مقابلہ میں اجتماعی مفاد کے بجائے انفرادی مفاد کا نظریہ روپے کو تھیلی میں ڈال کر اوپر سے اس کا منہ بند کر دینا۔ برگسان کی اصطلاح میں (Closed Society) عام فہم الفاظ میں اپنی کمائی کو اپنے مفاد کی خاطر سمیٹ کر رکھ لینا۔[2]

ربانیون۔ نظام ربوبیت کی حامل جماعت۔

ایمان بالغیب۔ خدا کے نظام ربوبیت کے ان دیکھے نتائج پر یقین رکھنا۔" (نظام ربوبیت ص ۸۶ و ۸۷ و ۸۸)

قیامۃ کا ترجمہ ان کے نزدیک "قیام انسانیت" ہے۔ چنانچہ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا کا انھوں نے ترجمہ کیا ہے

"قیام انسانیت کے پروگرام میں ان کے اعمال کا کوئی وزن نہیں ہوگا" (نظام ربوبیت ص ۹۷)

قرآن کریم کے معانی و مفاہیم کو اس طرح بدل دینے کے بعد پھر بھی یہ کہے جانا کہ "میں قرآن کریم کو تمام نوع انسان کے لئے آخری ضابطہ حیات مانتا ہوں"۔ اس اسلام میں داخل ہونے کے لئے کافی نہیں جس کی دعوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] غور کیجئے ایمان اور قرآن کو مسٹر پرویز نے برگسان سے کیا خوب سمجھا ہے۔ [2] قرآن کی ایسی اصطلاحات وضع کرنے سے مسٹر پرویز کا مقصد کمیونزم کیلئے راہیں ہموار کرنا ہے۔

نے دی ہے، یہاں تو قرآن کریم کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کے مطابق ہوگی نہ العیاذ باللہ برگسان کے کہے کے مطابق۔

مسٹر پرویز لکھتے ہیں کہ

"ارکانِ اسلام (نماز، روزہ وغیرہ) کے متعلق میرا مسلک یہ ہے کہ امت کے مختلف فرقے انھیں جس جس طریق سے ادا کرتے چلے آرہے ہیں، کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ ان میں کوئی ردو بدل کرے یا کوئی نیا طریق وضع کرے۔"

ارکانِ اسلام کے بارے میں مسٹر پرویز کا یہ وہ مسلک ہے کہ جس پر زندگی بھر کبھی عمل کرنے کی انھوں نے کوشش نہیں کی کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی تصانیف میں ارکانِ اسلام کا مذاق ہی اڑاتے رہتے ہیں۔ جس کا ایک نمونہ ان کی مایہ ناز کتاب "قرآنی فیصلے" سے ہدیۂ ناظرین ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"اسلامی نظامِ زندگی میں یہ تبدیلی اس دن سے ہوگئی جب دین مذہب سے بدل گیا۔ اب ہماری صلوٰۃ وہی ہے جو مذہب میں پوجا پاٹ یا اپنور بھگتی کہلاتی ہے۔ ہمارے روزے وہی ہیں جنھیں مذہب میں برت کہتے ہیں ہماری زکوٰۃ وہی شے ہے جسے مذہب دان یا خیرات کہہ کر پکارتا ہے۔ ہمارا حج مذہب کی یاترا ہے۔ ہمارے ہاں یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے "ثواب" ہوتا ہے۔ مذہب کے ہاں اسی کو پُن کہتے ہیں اور ثواب سے نجات (مکتی یا Salvation) ملتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ کس طرح دین (نظامِ زندگی) یکسر مذہب بن کر رہ گیا، اب یہ تمام عبادات اس لئے سر انجام دی جاتی ہیں کہ یہ خدا کا حکم ہے۔" (ص ۳۰۱ و ۳۰۲ شائع کردہ ادارہ طلوع اسلام کراچی)

اور "نظامِ ربوبیت" میں اُنکی تصریح ہے کہ

"جب صلوٰۃ کو "رسمِ نماز" میں بدل لیا جائے تو اس سے جھوٹا اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ ہم صلوٰۃ کے پابند ہیں اور معاشرہ کی خرابی کا باعث کچھ اور ہے" (ص ۱۶۴)۔

"زکوٰۃ" سے مراد اڈھائی فی صدی ٹیکس نہیں بلکہ یہ ایک پروگرام ہے جس کی سرانجام دہی مومنین کے ذمے ہے" (ص ۱۶۴)

کیا عجیب بات ہے کہ مسٹر موصوف ایک طرف تو یہ کہے جاتے ہیں کہ "ارکانِ اسلام نماز روزہ وغیرہ کے متعلق کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ ان میں کوئی ردوبدل کرے یا کوئی نیا طریق وضع کرے" اور دوسری طرف اقام الصلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کے سلسلہ میں نئی نئی قرآنی اصطلاحیں وضع کرکے اپنی تصانیف میں جابجا نماز روزہ پر پھبتیاں کستے رہتے ہیں۔ نہ معلوم اس دو عملی میں ان کی کیا کیا مصلحتیں پنہاں ہیں۔

مسٹر پرویز راویانِ حدیث کو سراسر دروغگو سمجھتے ہیں لیکن خود ان کے حافظہ کو کیا کہئے کہ انھیں اس مکتوب کے لکھتے وقت اپنے یہ الفاظ قطعاً یاد نہ رہے کہ

"زکوٰۃ (یعنی حکومت کے ٹیکس) کی شرح میں تغیر و تبدل کی ضرورت ایک ایسی حقیقت ہے جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نظر نہیں آتی"۔

(قرآنی فیصلے ص ۱۲)

اور

"اگر جانشین رسول اللہ (یعنی قرآنی حکومت) نماز کی کسی جزئی شکل میں جس کا تعین قرآن نے نہیں کیا اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے

ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو وہ ایسا کرنے کی اصولاً مجاز ہوگی۔"

(قرآنی فیصلے، ص ۱۵)

مسٹر پرویز اپنے مکتوب میں تو کسی شخص کو یہ حق نہیں دیتے کہ وہ ارکان اسلام نماز روزہ وغیرہ میں کوئی ردوبدل کرے یا کوئی نیا طریق وضع کرے، لیکن زکوٰۃ کی شرح میں خود بدولت کے نزدیک "تغیر و تبدل کی ضرورت ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نظر نہیں آتی" اور نماز کے بارے میں ان کی مفروضہ قرآنی حکومت اصولاً اس کی مجاز ہے کہ اپنے زمانے کے کسی تقاضے کے ماتحت کچھ ردوبدل ناگزیر سمجھے تو ضرور کر ڈالے۔

(ب) اور مسٹر پرویز نے اپنے مکتوب میں جو یہ لکھا ہے کہ

"اطاعت خدا اور رسول کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صورت یہ نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کر لیتا تھا، اس کی صحیح شکل یہ تھی کہ حضور کے بعد جو خلافت علی منہاج النبوت قائم ہوئی تھی اس سے پوچھا جاتا تھا کہ فلاں معاملہ میں خدا اور رسول کی اطاعت کس طرح کی جائیگی جو فیصلہ وہاں سے ملتا اسے خدا اور رسول کی اطاعت سمجھا جاتا۔"

ان کا یہ دعویٰ محتاج ثبوت ہے، مسٹر موصوف نے کس طرح یہ معلوم کیا کہ اس زمانے میں اطاعت خدا و رسول کی صورت یہ نہ تھی یہ تھی، کیا ان کے خیال میں قرآن و حدیث کے تمام ذخیرہ میں کوئی آیت اور کوئی حدیث بھی ایسی نہیں کہ جس کا مفہوم سب لوگوں کی سمجھ میں یکساں آجائے؟ بلکہ خدا و رسول کی ہر بات میں اس قدر الجھاؤ ہے کہ موجودہ زمانے کا تو ذکر ہی کیا خود صحابہؓ کے عہد میں بھی جو قرآن کریم کے مخاطب اولین تھے کوئی ایک فرد

بھی اس کو اپنے مفہوم کے اعتبار سے صحیح سمجھ ہی نہیں سکتا تھا جب تک کہ خلافت علی منہاج نبوت سے اس کی تشریح نہ کرالی جاتی تھی۔ مسٹر پرویز یہ تو بتائیں کہ اس طرح ہر معاملہ میں خدا رسول کی اطاعت کے بارے میں خلافت علی منہاج نبوت سے استفسار کرنے اور وہاں سے ہر معاملہ میں فیصلہ صادر ہونے کا کوئی ریکارڈ بھی امت کے پاس آج موجود ہے یا سب عجمی سازش میں غتر بود ہو گیا۔

مسٹر پرویز نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اطاعت خدا و رسول کے متعلق جو صورتِ حال تھی اس پر تو روشنی ڈالی لیکن یہ نہیں بتایا کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں خدا و رسول کی اطاعت کا کیا طریق تھا۔ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی اسی طرح استصواب کیا جاتا تھا اور آپ بھی اسی طرح فیصلے صادر فرمایا کرتے تھے۔ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے تو پھر یہ بتایا جائے کہ آخر وہ سب فیصلے امت کے پاس محفوظ رہے یا ضائع ہوئے، اگر محفوظ ہیں تو کس کتاب میں؟ اور جب مسٹر پرویز کے مرکز حکومتِ قرآنی کو جیسا کہ ابھی ان کی کتاب "مقامِ حدیث" سے نقل کیا گیا نہ صرف یہ کہ خلافت علی منہاج نبوت کے تمام فیصلوں پر نظرِ ثانی کرنے اور ان میں ہر طرح کی ترمیم و تنسیخ کرنے کا حق حاصل ہے، بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر بھی خطِ نسخ کھینچنے اور ان میں رد و بدل کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہے تو پھر اطاعتِ خدا و رسول کے متعلق اس خود ساختہ تشریح سے سوائے مغالطہ کے حاصل کیا ہوا۔ کیونکہ ہر صورت میں بقول مسٹر پرویز "خدا اور رسول کی اطاعت مرکز کے ان فیصلوں کی اطاعت کا نام ہوگا"۔

اور جب مسٹر پرویز کے نزدیک "اطاعتِ خدا و رسول کی یہ صورت نہیں کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا و رسول کی اطاعت کر لے بلکہ اس کی صحیح شکل

یہ ہے کہ خلافت علی منہاج نبوت سے پوچھا جائے کہ فلاں معاملہ میں خدا و رسول کی اطاعت
کس طرح کی جائے اور جو فیصلہ وہاں سے ملے اسے خدا رسول کی اطاعت "سمجھا جائے" تو
اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آج کل جبکہ خلافت علی منہاج نبوت موجود نہیں مسٹر پرویز
خدا و رسول کی اطاعت کر رہے ہیں یا انھوں نے اس کو بالکلیہ اس وقت تک کے لئے
معطل کر رکھا ہے کہ جب خلافت علی منہاج نبوت قائم ہوگی؟ اگر مسٹر موصوف نے خدا رسول
کی اطاعت کو موجودہ دور میں بالائے طاق رکھ دیا ہے تو کیا ساری امت کے لئے بھی ان کی
یہی تجویز ہے۔ ورنہ درصورت دیگر وہ خدا و رسول کی اطاعت کس طرح کرتے ہیں جبکہ بغیر مرکز
ملت کے فیصلے دیئے خدا و رسول کی اطاعت ہو ہی نہیں سکتی بلکہ اس سے بقول ان کے
امت میں افتراق پیدا ہوتا ہے، پھر کیا وہ امت میں افتراق ہی کے درپے ہیں؟ اور جب ہر
شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسول کی اطاعت کرنے میں آزاد نہیں اور انفرادی
طور پر خدا اور رسول کی اطاعت سے امت میں افتراق پیدا ہوتا ہے تو پھر مسٹر پرویز نے جو
خلافت علی منہاج نبوت سے پوچھے بغیر ایک خودساختہ "مفہوم القرآن" شائع کر دیا ہے اور
اپنی تصانیف میں دین کے نام سے ہزاروں ہزار صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں جن میں قرآن مجید
کی دل کھول کر تحریف معنوی کی ہے اور آیات قرآنی پر نئے نئے معانی کا وہ خول چڑھایا ہے
کہ جس سے ان کے اصل معانی و مفاہیم بالکلیہ مسخ ہو کر رہ گئے ہیں یہ امت میں وحدت
پیدا کرنے کی صورت ہے یا افتراق پھیلانے کی؟

(ج) اور مسٹر موصوف نے جو یہ لکھا ہے کہ

"میں ہر اس حدیث کو صحیح مانتا ہوں جو قرآن کے خلاف نہ ہو یا جس میں
نبی اکرم یا صحابہ کبار کی شان میں کوئی طعن نہ پایا جاتا ہو"

تو اہل سنت کے نزدیک، تو بے شک کوئی ایسی روایت صحیح نہیں کہ جو قرآن کے خلاف ہو یا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کبارؓ کی شان میں کوئی طعن ہو۔ لیکن مسٹر پرویز کے نزدیک کسی حدیث کو صحیح ماننے کا یہ معیار کیسے ہو سکتا ہے جبکہ ان کے نزدیک انفرادی طور پر قرآن کریم کا کوئی مفہوم متعین کرنا صحیح نہیں کہ اس سے امت میں افتراق پیدا ہوتا ہے، ان کے نزدیک تو قرآن کریم کا صحیح مفہوم متعین کرنے کیلئے مرکز حکومت قرآنی کی طرف مراجعت کی ضرورت ہے۔ اور بغیر مرکز ملت کی تشریح کئے کوئی شخص اپنے طور پر قرآن کریم کا مفہوم متعین نہیں کر سکتا۔ پھر بغیر مرکز حکومت قرآنی کے قائم ہوئے یہ کہدینا کہ فلاں حدیث اس لئے صحیح ہے کہ وہ قرآن کے موافق ہے اور فلاں حدیث اس لئے صحیح نہیں کہ وہ قرآن کے خلاف ہے کس قدر غلط اقدام ہے۔

علاوہ ازیں مسٹر پرویز کا کسی حدیث کے صحیح ماننے سے مطلب کیا ہے؟ اگر صرف یہ کہ وہ فی نفسہ صحیح ہے خلاف واقعہ نہیں ہے بلکہ تاریخ کے اور واقعات کی طرح سے ایک واقعہ یہ بھی ہے تو احادیث کو اس اعتبار سے تو بہت سے کافر بھی صحیح مانتے ہیں پھر مسٹر مومن کو کفار سے کیا امتیاز حاصل ہوا؟ اور اگر حدیث کو صحیح ماننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی دین میں حجت ہے اور کتاب اللہ کی طرح احکام دین کا وہ بھی ماخذ ہے تو یہ بات خود مسٹر پرویز کی اس تصریح کے خلاف ہے جو ابھی ان کی کتاب "مقام حدیث" سے نقل ہوئی کہ

"اگر کسی طرح ثابت بھی کر دیا جائے کہ فلاں روایت یقینی طور پر سچی ہے تو بھی اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ حضورؐ کے زمانۂ مبارک میں دین کے فلاں گوشہ پر کس طرح عمل کیا گیا تھا۔ اگر ہمارے زمانے کا مرکز حکومت قرآنی سمجھے کہ اس عمل میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں تو اسے علی حالہ رائج کر دے اور اگر سمجھے کہ ہمارے

زمانے کے اقتضاءآت اس میں رد و بدل چاہتے ہیں تو اس میں رد و بدل کر دے

یہ ہے احادیث کی صحیح دینی حیثیت " (ج ۱ ص ۶۶ و ۶۷)

جب مسٹر پرویز کے نزدیک یقینی طور پر صحیح حدیث کی بھی اتباع ضروری نہیں بلکہ مرکز حکومت قرآنی کو اس میں زمانے کے اقتضاءآت کے مطابق ہر طرح کے رد و بدل کا اختیار ہے تو اس کے صحیح ماننے کا فائدہ کیا۔

پھر مسٹر پرویز نے یہ نہیں بتایا کہ جو حدیثیں قرآن کریم کے خلاف نہیں ہیں مگر ان میں قرآن سے زائد احکام و ہدایات مذکور ہیں وہ ان کو بھی صحیح مانتے ہیں یا نہیں، اور ان کے نزدیک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے علاوہ کچھ احکام و ہدایات بھی دے سکتے ہیں یا نہیں۔

(۶) - جس لٹریچر پر مسٹر پرویز اس قدر نازاں و مفتخر ہیں اس کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ انھوں نے محض اپنی انفرادی اور شخصی رائے سے بغیر اس مرکز حکومت قرآنی کے قائم ہوئے (کہ جس کے وہ داعی ہیں) اور بغیر خلافت علی منہاج نبوت سے پوچھے (کہ جس سے پوچھنا خود ان کے نزدیک اطاعت خدا و رسول کے لئے شرط لازم ہے) قرآن کریم کے معانی و مفاہیم کو الحاد و زندقہ سے ہم آہنگ کیا اور پھر اپنی پوری صلاحیتوں اور توانائیوں کے ساتھ قوم کے ان افراد کو جو اسلامی تعلیمات سے بیگانہ اور مغربی مادیت یا روسی کمیونزم کے دلدادہ تھے اس کے ماننے کی دعوت دی اور مذہب بیزار افراد نے اس دعوت الحاد کو اپنے مزاج کے مناسب پا کر قبول کر لیا۔

سفید سامراج اس ملک سے رخصت ہوا مگر اس نے جو دل و دماغ تیار کئے تھے چونکہ وہ ابھی تک اس ملک پر مسلط ہیں اس لئے جو طبقہ اس ملک میں سفید سامراج کی

ثابت کرتا ہے اس میں مسٹر پرویز کے کہے کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس پر مسٹر پرویز جتنا فخر کریں کم ہے۔ یہ ان کے لئے کچھ کم اعزاز کی بات نہیں کہ انھوں نے یتیم بیٹے کا حق کاٹ کر یتیم پوتے کو وارث بنانے پر اپنا زور قلم صرف کیا اور ملک میں اس کو قانونی شکل حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اب موجودہ قانون کی رو سے اگر کوئی شخص ایک بیٹی اور ایک پوتی چھوڑ کر مرجائے تو پوتی کو میت کے ترکہ میں سے بیٹی سے دوگنا ملے گا کیونکہ پوتی اپنے متوفی باپ کا وہ حصہ لے گی جو کہ دادا کے فوت ہونے پر اس کے باپ کو اپنی زندگی میں ملتا۔ ظاہر ہے از روئے قرآن بیٹے کا دوہرا حصہ ہے اور بیٹی کا اکہرا، اور پوتی چونکہ اپنے مرے باپ کا حصہ لے گی اس لئے اس کو اس صورت میں بیٹی سے دگنا حصہ ملیگا۔ پرویز صاحب کے دین وملت میں عقلی توازن اتنا ہی ہونا بھی چاہیئے؟ اسی طرح اگر صرف ایک بیٹا اور ایک پوتی وارث ہوں تو پوتی بیٹے کے برابر حصہ پائے گی لیکن اگر پوتی کی بجائے بیٹی ہوگی تو اس کو متروکہ کا ایک تہائی ملے گا اور بیٹے کو دو تہائی۔

اسی طرح مسٹر پرویز کی یہ دعوت بھی رائیگاں نہیں گئی:

"کہ طلاق میں بھی انفرادی اختیار نہیں ہے۔ میاں بیوی دونوں کی باہمی شکر رنجی کی صورت میں عدالت پہلے ثالث مقرر کرے گی۔ اور ان ثالثوں کی رپورٹ کے بعد وہ فیصلہ دے گی کہ باہمی موافقت کی صورت پیدا ہو سکتی ہے یا انقطاع تعلقات ناگزیر ہے۔ کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ وہ جب چاہے اٹھ کر عورت کو طلاق دیدے۔"

(قرآنی فیصلے ص ۱۶۳ شائع کردہ ادارۂ طلوع اسلام کراچی)

بلکہ اس کو مسلمانوں کے عائلی قانون کی شکل دیدی گئی۔ یہ اور اسی طرح کے اور بہت سے

اثرات کے متعلق جو مسٹر پرویز کے گرویدہ طبقہ کی بدولت ملک کی سیاست، صحافت اور آئین سازی پر پڑے ہیں وہ بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

محمد عبد الرشید نعمانی

۲۶ شوال ۱۳۸۱ھ

یوم دوشنبہ

اعلان

اس رسالہ کی قیمت ہے بیس نئے پیسے۔ بیرونِ کراچی سے جو صاحب اس رسالہ کو طلب کرنا چاہیں وہ بیس نئے پیسوں کے ٹکٹ "شعبۂ تصنیف" کو بھیجدیں۔ ان کی خدمت میں یہ رسالہ ارسال کر دیا جائے گا۔

جو اربابِ خیر اس رسالہ کو مفت تقسیم کرنا چاہیں ان کے لئے یہ خاص رعایت ہے کہ اس رسالہ کے سو نسخے دس روپے ادا کرنے پر ان کی خدمت میں پیش کر دیئے جائیں گے۔

ملنے کا پتہ: شعبۂ تصنیف مدرسۂ عربیہ اسلامیہ جامع مسجد نیوٹاؤن کراچی ۵